۳ شال

علی عبّاس حسینی

پیش درس

افسانوی ادب میں داستان اور ناول کے بعد افسانوں کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ افسانہ ایک مختصر تحریر ہے جسے ایک ہی نشست میں پڑھا جاسکتا ہے۔ افسانہ زندگی کے کسی ایک پہلو کو اُجاگر کرتا ہے یا کسی ایک واقعے کو ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ فنی اعتبار سے افسانے میں ڈرامے کی طرح نقطۂ عروج (کلائمکس) کی بڑی اہمیت ہے۔ ناول کے مقابلے میں افسانہ مختصر ہوتا ہے۔

پریم چند، سجاد حیدر یلدرم، سلطان حیدر جوش، نیاز فتح پوری اور علی عباس حسینی کو اُردو کے اوّلین افسانہ نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ترقی پسند تحریک اور جدیدیت کے زیر اثر کئی افسانہ نگار اُبھرے جنھوں نے اُردو افسانے کو نئے رجحانات، اسالیب اور رنگ و روپ سے آشنا کیا۔ نئے افسانوں میں تکنیک کے تجربات نے افسانہ نگاری کو وسعت عطا کی۔ تجریدی اور علامتی افسانوں نے بدلتی ہوئی زندگی کے مسائل اور پیچیدگیوں کو نئے انداز میں پیش کیا۔ بعض افسانوں میں واقعہ بیان کرنے سے انحراف بھی کیا گیا ہے۔

پلاٹ، کردار، مکالمے، نقطۂ نظر، پس منظر اور زبان و بیان کی کشتگی مختصر افسانے کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ ان اجزا کے توازن سے افسانے کی تشکیل ہوتی ہے۔ افسانے میں ہونے والی ہیئت اور تکنیک کی تبدیلیوں کے باوجود آج بھی افسانہ اسی بنیاد پر کھڑا نظر آتا ہے جس کی داغ بیل سو برس پہلے پریم چند نے ڈالی تھی۔

انسان کے لیے لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولے۔ جھوٹ بولنے سے انسان اعتبار کھو دیتا ہے لیکن سچ بولنے کے آداب میں یہ بات بھی ہمیں سمجھائی گئی ہے کہ سچی بات اس طرح کہی جائے کہ بات کڑوی بھی ہو تو سننے والا اسے قبول کرلے۔ جھوٹ بولنے کو کبھی اچھا نہیں سمجھا گیا ہے لیکن کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی فتنے یا شر کو رفع کرنے کے لیے نقصان نہ پہنچانے والی حقیقت کے برعکس بات کا سہارا لے لیتا ہے۔ اس افسانے کے مرکزی کردار کو ایسی ہی ایک صورت حال پیش آتی ہے۔ افسانے کا انجام بھی نہایت چونکا دینے والا ہے۔

جان پہچان

علی عباس حسینی ۳؍فروری ۱۸۹۷ء کو غازی پور کے ایک قصبے پارہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم پٹنہ میں پائی۔ ۱۹۱۵ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۲۴ء میں الٰہ آباد سے ایم.اے. کی سند حاصل کی۔ پھر اس کے بعد گورنمنٹ ڈگری کالج، لکھنؤ میں ملازمت اختیار کی اور ۱۹۵۴ء میں پرنسپل کے عہدے سے سبک دوش ہوئے۔

علی عباس حسینی ادب برائے زندگی کے قائل تھے۔ انھوں نے پریم چند کی طرح اپنی تخلیقات میں دیہی زندگی کی مؤثر عکاسی کی ہے۔ انھوں نے کسانوں کی معاشی بدحالی اور زمین داروں کے ظلم و ستم کو اپنی کہانیوں میں پیش کیا ہے۔ اپنی تخلیقات کے ذریعے انھوں نے قومی یکجہتی اور انسانیت کا پیغام دیا ہے۔ افسانوں کے علاوہ انھوں نے ناول، ڈرامے اور تنقیدی مضامین بھی لکھے۔ 'اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ' ان کی ایک اہم کتاب ہے۔ انھوں نے بعض افسانے بچوں کی نفسیات سے متعلق لکھے۔ پہلی کہانی 'پژمردہ کلیاں' انھوں نے ۱۹۱۸ء میں لکھی۔ 'رفیقِ تنہائی'، 'باسی پھول'، 'کانٹوں میں پھل'، 'اُلجھے دھاگے' وغیرہ ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ انھوں نے کئی ناول بھی لکھے جن میں 'قاف کی پری' کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۲۷؍ستمبر ۱۹۶۹ء کو علی عباس حسینی کا انتقال ہوا۔

عبید جب ٹرین سے اُترا تو اس وقت صبح کے ساڑھے چھے بج چکے تھے مگر سورج نے گہرے کہرے میں منہ چھپا رکھا تھا۔ یخ پڑ رہی تھی۔ چار باغ جیسے بڑے اسٹیشن پر جہاں ٹرین کی آمد و روانگی کے وقت کھوے سے کھوا چھلتا ہے، ایک عجیب طرح کا سناٹا تھا۔ اسٹیشن کیا تھا جیسے برات اُتارنے والا گھر لڑکی کی رخصتی کے بعد۔ بس پانچ سات قلی دِکھائی دیے، وہ بھی منہ لپیٹے پالا مارے ہوئے پودوں کی طرح سکڑے سکڑائے۔

رات کو ٹرین پر اُس نے خود بھی سردی کی اس تیزی کو بری طرح محسوس کیا تھا۔ اس نے برتھ پر اپنا خاصا موٹا گدا بچھایا تھا۔ اس پر دو دو کمبل اوڑھے تھے۔ ان کے اوپر سے اپنا موٹا اوورکوٹ بھی ڈال لیا تھا مگر پاؤں پھیلا کر نہ سو سکا تھا۔ ٹھنڈک کے مارے گٹھری ہی بنا رہا۔ اس کا بار بار جی چاہا تھا کہ وہ حمیدہ کی چہیتی شال اٹیچی سے نکال کر جسم پر لپیٹ لے۔ یقیناً وہ اس طرح سے خود کو گرما سکتا تھا لیکن اس نے سردی کھائی، تکلیف اُٹھائی مگر اپنی بیوی کی دی ہوئی شال نہ نکالی۔ ڈر تھا اوڑھنے لپیٹنے میں وہ مَل وَل جائے گی۔ عبید یہ بات کسی طرح پسند نہ کرسکتا تھا۔

بڑی عزیز تھی یہ شال حمیدہ کو۔ بہت دنوں سے اُس کی خواہش تھی کہ اس کے پاس ایک شال ایسی خوب صورت اور اتنی اچھی ہو کہ کسی کے پاس نہ ہو۔ اب کے اپریل میں عبید جشن بہار کے مشاعرے میں شریک ہونے سری نگر گیا تھا۔ وہیں سے یہ شال شہر کی ساری دکانیں چھان کر وہ حمیدہ کے لیے لایا تھا۔ اس کے چوڑے حاشیے پر بہت ہی عمدہ نازک اور باریک کام بنا تھا اور بیچ والے حصے میں ہر طرح کے پھول کھلے تھے؛ گلاب و لالہ، بنفشہ و نرگس، سیوتی اور سوسن، کنول اور کوزہ۔ کتنی خوش ہوگی وہ ایسی شال پا کر۔ اس کے گالوں پر سرخی دوڑ جائے گی، اس کی آنکھوں میں ستارے چمکیں گے، وہ اسے اوڑھ کر اِٹھلائے گی اور آپ ہی آپ شرمائے گی۔

اور جب وہ لکھنؤ پہنچا تھا اور گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے یہ خوب صورت شال حمیدہ کے کندھوں پر ڈال دی تھی تو اس کے سارے خواب سچ نکلے تھے۔ وہ بوکھلا بھی گئی تھی۔ وہ مسکرائی تھی، وہ کھلکھلائی تھی اور وہ بلبل کی طرح چہک بھی اُٹھی تھی۔ حمیدہ نے اسے شیشے کی الماری میں رکھا اور اس میں مضبوط قفل ڈال دیا۔ یہ الماری کنجوس کے دل کی طرح ہمیشہ بند رہتی۔ بس اس کے شیشے دن میں دو دفعہ باہر سے جھاڑ دیے جاتے تھے۔ عبید نے ایک دو بار ٹوکا بھی، ''شال اوڑھنے کی چیز ہے، پرستش کی نہیں۔ ابھی گرمیاں ہیں اس لیے اتنا ہی کرو کہ اسے الماری سے نکال کر دو ایک بار دھوپ دِکھا دو۔ اونی ہے، کیڑا ویڑا نہ لگ جائے۔''

وہ کہتی، ''برا نہیں لگتا تمھیں ایسی بدشگونی کی بات زبان سے نکالتے! ارے میں دو تین بار تو اسے دن میں دیکھتی ہوں۔ موئے کیڑوں کی کیا مجال کہ اس کے پاس پھٹک سکیں!''

لیکن اس کے تعجب کی انتہا نہ رہی تھی دو دن پہلے۔ اس روز جب اس کڑاکے کی سردی میں وہ اپنے مختصر سفر پر روانہ ہونے لگا تھا اور ہولڈال میں بستر رکھا جانے لگا تھا تو دونوں کو یاد آیا تھا کہ اس سفر کے لیے کوئی گرم چادر نہیں ہے۔ عبید کا نیا لحاف تیار نہ ہوسکا تھا۔ حمیدہ تھوڑی دیر تو سوچتی رہی پھر جھپٹ کر اپنی چہیتی شال نکال لائی۔ عبید نے روکا، ''میں تمھاری شال نہیں لے جاؤں گا۔ سفر میں میلی ہوجائے گی۔'' مگر وہ کسی طرح نہ مانی۔ اس نے شال اٹیچی کیس میں رکھ ہی دی۔ عبید کو بیوی کی اس اتھاہ محبت کا اندازہ تھا۔ اس نے اپنے طور پر طے کرلیا کہ چاہے مجھ پر کیسی ہی گزر جائے، میں اس شال کو ایک منٹ کے لیے بھی اپنے استعمال میں نہ لاؤں گا اور اسے حمیدہ کو ویسے ہی صاف ستھری، بے شکن لاکر واپس کردوں گا جیسی کہ وہ حمیدہ کے ہاتھوں سے مجھے ملی ہے۔ اس نے پورے سفر میں

اسی لیے شال نہیں اوڑھی۔ اس نے ٹرین میں سردی بھی کھائی مگر شال نہ نکالی۔ اس وقت البتہ اس نے شال سوٹ کیس سے نکال کر ہاتھ میں لے لی۔ اس کا ارادہ تھا وہ گھر پہنچتے ہی اسے حمیدہ کے سر پر ڈال کر کہے گا، ''لو دیکھو، میں جیسی نئی لے گیا تھا، ویسی ہی واپس لے آیا۔ تمھاری شال میں مَیں نے ذرا بھی میل نہ لگنے دیا۔''

اس لیے جب وہ گرم سوٹ پر موٹا اوورکوٹ پہنے، گلے کو اونی مفلر سے اور ہاتھوں کو چمڑے کے دستانوں سے چھپائے رکشے پر بیٹھا تو اس نے حمیدہ کی شال گھٹنوں پر رکھ لی۔ خیال تھا، گھٹنے بھی گرم رہیں گے اور شال میں شکنیں بھی نہ پڑیں گی۔

رکشے والا جوان تھا۔ بھرے بھرے شانے، چوڑا سینہ، مضبوط کمر، موٹی موٹی پنڈلیاں، بڑے بڑے پاؤں۔ اس نے سر اور گردن میں ایک سوتی مفلر پگڑ کی طرح لپیٹ رکھا تھا۔ وہ آدھی آستین کی خاکی قمیص پر ایک پرانا سینڈوکٹ سویٹر پہنے تھا اور ٹانگوں میں خاکی نیکر۔ پنڈلیاں بھی ننگی اور پاؤں بھی ننگے۔ وہ اپنی ٹھنڈک دور کرنے کے لیے رکشا تیز تیز چلا رہا تھا۔ رکشے کی اس تیز رفتاری نے ہوا کی دھار پر اور بھی باڑھ رکھ دی۔ ٹھنڈک عبید کے گرم موزے میں لپٹی اور اونی پتلون میں ڈھکی پنڈلیوں میں تیر کی طرح گھسنے لگی۔ عبید نے حمیدہ کی شال کی ایک تہہ کھول کر اسے ٹخنوں پر لٹکا دیا۔

عبید نے رکشے والے پر بھرپور نظر ڈالی۔ اس کے چہرے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے جھلک رہے تھے۔ عبید نے سوچا کتنا فرق ہے محنت کرنے اور بے کار رہنے میں۔ جہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے، وہاں اپنے ہی جسم کی گرمی ایک بجھا ہوا دیا بن جائے گی۔ اسے محنت مزدوری کی دیا سلائی دِکھاؤ تو اندر کی آگ بھڑک کر باہر آ جائے گی۔ پھر نہ لحاف کی ضرورت، نہ کسی شال کی۔

اس نے پوچھا، ''کہاں کے رہنے والے ہو؟''

وہ بولا، 'گونڈا جِلا۔''

عبید نے مسکرا کر پوچھا، ''مہریا ہے؟''

رکشے والے نے گردن پھرا کر دیکھا اور کہا، ''ارے پتنی اور بالک نہ ہوتن تو ایسی سردی مارکشا چلابِت۔''

عبید نے اور کریدا، ''یہیں ہیں شہر میں؟''

وہ بولا، ''نا ہیں ساب، اپنا دیس ما۔''

عبید نے کہا، ''جب ہی!''

رکشے والا اس 'جب ہی' کا طنز تو کیا خاک سمجھتا مگر وہ گنگنانے لگا، ''نین لڑی ہیں تو منوا ما کھٹک ہوئی بے کری۔''

عبید نے ہنس کر کہا، ''اچھا، تم فلم دیکھنے کے بھی شوقین ہو؟''

وہ بولا، ''کبھو کبھو نواب ساب! سال چھے مہینا ما۔''

عبید جھنجھلا اُٹھا۔ نہ جانے کیوں یہ سارے پردیسی لکھنؤ کے ہر سفید پوش کو نواب پکارنے لگتے ہیں۔ وہی جو محنت و مزدوری سے عاری ہیں، وہی بے کاروں کی خاص جماعت، وہی 'پدرم سلطان بود' کہہ کر اکڑنے وکڑنے والے اپاہج۔ وہ کیوں ان میں شمار کیا جائے؟ وہ تو صبح سے شام تک اپنے جوتا سازی کے کارخانے میں جان کھپاتا، پچیس تیس کاریگروں کے کام کی نگرانی کرتا، دھوپ، لُو اور سردی پانی میں دکان دکان پھر کر سامان خریدتا اور آرڈر حاصل کرتا۔ اس طرح خون پسینہ ایک کرتا تب جا کر چار پیسے آتے۔

عبید اسی طرح پیچ و تاب کھاتا رہا کہ نم ہوا کے دوش پر کہیں دور سے ایک دل دوز کراہ سنائی دی۔ کراہنے والا کچھ منمنا بھی رہا تھا مگر صاف نہیں سنائی دے رہا تھا۔ پھر بھی آواز میں انسانی دل کے لیے ایک ناقابلِ برداشت درد تھا۔ سینے کو برما دینے والا، آنکھوں میں مرچیں لگا دینے والا۔

عبید نے گھبرا کر رکشے والے سے پوچھا، ''ارے یہ کون کراہ رہا ہے بھائی؟''

اس نے رکشا دھیما کر کے، آستین سے منہ کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا، ''اؤاک پگلی ہوساب۔ اوہے ایک چھوٹا بالک چھاتی سے لگائے سڑک پر پڑل ہو...بس ہر وکھت چیکھت ہو: ارے مور بالک کا بچالیو۔ ای سردی سے مرت ہو! دوئی دن سے سڑک پر پڑل چیکھت ہو۔''

عبید نے تعجب سے پوچھا، ''ارے تو اتنے بڑے شہر میں کسی اللہ کے بندے نے اسے کوئی رضائی یا کمبل نہ اوڑھا دیا؟''

وہ بولا، ''ہما سما، جے کے پاس رجائی کمل ہوئی اؤ کھودا وڑھی کی پگلی کا دے ای؟''

عبید نے کہا، ''ارے تو کیا ہمارے شہر کے رئیس، امیر، سیٹھ، ساہوکار سب مر گئے؟''

اس نے رکشا روک کر بڑے زور سے کھنکار کر سڑک پر تھوکا۔ پھر بولا، ''اجی نواب ساب! بڑا لوگ موٹر ما سیسہ چڑھائے پوں پوں کرت سن سن نکل جات ہیں۔ او کا ہے کا پگلی کی اور دیکھین۔ او آپن دوسو اڑھائی سو کا کمل پگلی پر دیہن آپو کا بات کہت ہِن؟ نواب ساب!''

اور اس نے پھر رکشا تیز چلانا شروع کیا۔ آواز اب بالکل صاف صاف سنائی دینے لگی تھی۔ ''ارے بھگوان کے نام پر بچالو اِس بالک کو۔ کوئی وَستر اس کو اوڑھا دو۔ مر رہا ہے یہ سردی سے۔ آہ...آہ۔ بھگوان! کیا اس پرتھوی پر کہیں دَیا نہیں؟

عبید نے دیکھا پگلی فٹ پاتھ پر پڑی ہے۔ بس ایک چھوٹی سی دھوتی لپٹی ہے۔ اسی کا ایک کونا پیٹ پر پڑا ہے۔ اس چیتھڑے میں سے ایک بچے کا سر دِکھائی دے رہا ہے۔ پگلی کے بال مٹی میں اَٹے ہیں۔ اس کی آنکھیں بند ہیں اور وہ کراہے جا رہی ہے، ''آہ ...آہ...آہ! بھگوان، کیا کہیں دَیا نہیں؟''

عبید کے جسم میں بجلی کا کرنٹ سا دوڑ گیا۔ دل و دماغ جھنجھنا اُٹھے۔ وہ اس طرح کانپا کہ گھٹنے پر رکھی شال پھسل کر اس کے جوتے پر آ رہی۔ وہ اسے جھک کر اُٹھاتے اُٹھاتے بے ساختہ چیخ اُٹھا، ''روکو رِکشا!''

رکشے والے نے پورا بریک لگایا۔ رکشا جھٹکے سے رُک گیا۔ اس نے عبید کو سوالیہ انداز سے دیکھا۔ عبید نے شال اس کی طرف بڑھا کر کہا، ''لو یہ شال، اسے اوڑھا دو۔''

رکشے والے کا منہ تعجب سے کُھل گیا۔ ''او پگلی کا؟'' اس نے پوچھا۔

عبید نے کہا، ''ہاں، اسی کو۔''

رکشے والے نے اپنی سیٹ سے اُترتے ہوئے پھر احتجاج کیا، ''ارے ای چدریا بہت بڑھیا ہے، نواب ساب۔''

عبید نے ڈانٹ کر کہا، ''بکومت۔ جا کے اُسے اوڑھا دو۔''

مگر وہ خود نہ تو اپنی جگہ سے ہلا اور نہ اس نے پگلی کے پاس جانے کی ہمت کی۔ بڑی گندی تھی وہ۔ اسے تو پگلی کو دیکھنے ہی سے

گھن آتی تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر سڑک پر گھبرائی گھبرائی نظر ڈالی، کوئی دیکھتا تو نہیں اس کی اس بے وقوفی کو۔ کس قدر ہنسے گا اپنے دل میں اس حرکت پر۔ پگلی اور ایسی خوب صورت اور قیمتی شال ۔ رکشے والے نے پگلی کے پاس پہنچ کر شال کا ایک سرا پکڑ کر اسے پھیلانے کے لیے زور سے جھٹکا اور اس کے میلے گھناؤنے جسم پر حمیدہ کی پسندیدہ شال کے پھول بکھیر کر کہا، ''لے رے پگلی۔ تو ہار قسمت جاگل۔ اب خوب گرما کے لیٹ۔''

پگلی نے شال کی سرسراہٹ جسم پر محسوس کی۔ خون کبوتر آنکھیں کھول کر رکشے والے کو دیکھا۔ دانت نکال کر اس طرح مسکرائی کہ چہرہ اور بھی ڈراؤنا ہوگیا۔ رکشے والا جلدی سے پیچھے ہٹا اور رکشے پر بیٹھتے ہی اسے تیز چلانے لگا۔

اور عبید اس سوچ میں پڑ گیا کہ شال دینے کو تو دے دی پگلی کو مگر میں کہوں گا کیا حمیدہ سے؟ یہی کہ میں نے اس کی شال ایک پگلی کو دے دی؟ کیا حمیدہ اسے اپنی توہین نہ سمجھے گی؟ اور اگر کہیں اس سلسلے میں اس کی چشم مے گوں میں آنسو آ گئے؟ یا کہیں اُتر گیا اس کا ہنس مکھ چہرہ تو؟ عبید نے طے کیا، ''مجھے بات بنانی ہی پڑے گی۔ مجھے جھوٹ بولنا ہی پڑے گا مگر ایسا جھوٹ کہ بجائے آنکھوں سے آنسو کے اس کے منہ سے کلمۂ شکر نکلے۔''

حمیدہ نے میاں کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اسے اوورکوٹ اُتارنے میں مدد دی۔ دہکی ہوئی انگیٹھی اس کے پاس لاکر رکھ دی۔ گرم گرم پانی سے ہاتھ منہ دھونے کا انتظام کیا۔ جلدی جلدی کھولتی ہوئی چائے تیار کرا کے پلائی۔ جب وہ سوٹ اُتارنے اور کپڑے بدلنے دوسرے کمرے میں چلا گیا تو حمیدہ نے اٹیچی کیس کھولا کہ اس کے کپڑے کپڑوں میں رکھ دے۔ ساری چیزیں موجود تھیں، اسے صرف اپنی شال نہ دِکھائی دی۔ اس نے ہولڈال بھی کھول ڈالا۔ وہاں بھی شال غائب تھی۔

اس نے گھبرا کر عبید سے بلند آواز میں پوچھا، ''میری شال کیا ہوئی؟''

عبید نے جھوٹی کہانی گھڑ لی تھی۔ وہ بیوی کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور بولا، ''وہ تو ریل میں چوری ہوگئی۔''

حمیدہ کا چہرہ تمتما اُٹھا۔ وہ بولی، ''ارے، یہ کیسے؟''

عبید نے کہا، ''رات ریل میں دو کمبلوں سے سردی نہ گئی تو میں نے اوپر سے تمھاری شال بھی ڈال لی۔ معلوم ہوتا ہے وہ کروٹ لینے میں پھسل کر برتھ کے نیچے گر پڑی۔ میں سو رہا تھا کہ دو مسافر اُتر گئے۔ انھی میں سے کوئی اسے بغل میں دبا کر لے گیا۔''

حمیدہ روہانسی آواز میں کوسنے لگی، ''موئے کا ہاتھ سڑ جائے۔ میری شال اوڑھنا اسے کبھی نصیب نہ ہو۔ اس کی قبر میں کیڑے پڑیں۔'' کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ماما عیدُن عبید کے ناشتے کے لیے ہدایت لینے آئی ہوئی پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ بولی، ''اَے ہے بی بی، اتنی سی بات پر روتی ہیں! خدا کا شکر کیجیے کہ اللہ آمین میاں سلامت پلٹ آئے۔ صدقہ اُتاریے، شکر کا سجدہ کیجیے۔''

حمیدہ کا موڈ بالکل بدل گیا۔ اس نے جھٹ آنکھیں پونچھ ڈالیں اور سوا روپیہ عیدُن کی طرف بڑھا کر بولی، ''سچ کہتی ہو بوا، میں بڑی ناشکری ہوں۔ یہ سوا روپے لو اور اسے ایک سینی میں سوا سیر ماش اور سوا پاؤ کڑوے تیل کے ساتھ رکھ کر ان کے ہاتھ سے چھوا کر کسی فقیر کو دے دو اور میں جاتی ہوں دوگانہ پڑھنے۔'' اور وہ فوراً ہی وضو کرنے لگی۔ عبید نے شرم سے گردن جھکالی اور پانی پانی ہوگیا۔ جھوٹ بھی کس قدر کثیر الاولاد ہے۔ ایک بولو، جھٹ اس کے پیٹ سے دس پیدا ہوجائیں گے۔ پھر بھی اس کا جھوٹ کتنا

شیریں، کتنا میٹھا نکلا! حمیدہ کی آنکھیں بھیگیں تو شکرِ خدا میں۔

دوسرے دن جب ٹھنڈی ہوا ذرا گرمائی تو پانچ بجے عبید کارخانے سے پلٹتے وقت اس سڑک پر مڑ گیا جدھر پگلی ملی تھی۔ اس نے دیکھا میونسپلٹی کے ملازم پگلی کی اکڑی ہوئی لاش ایک ٹھیلے پر لاد رہے ہیں۔ اس کے جسم پر وہی میلی پھٹی ہوئی دھوتی ہے۔ اس کا مرا ہوا بچہ اسی طرح چھاتی سے چپکا ہوا ہے اور حمیدہ کی شال کا دور دور تک پتا نہیں! دفعتہً عبید کا منہ اتنا کڑوا ہو گیا کہ اس نے ایک جاہل بے پروا شہری کی طرح سڑک پر تھوک دیا۔

معانی واشارات

کھوے سے کھوا چھلنا – بہت بھیڑ ہونا

اٹیچی – چھوٹا سوٹ کیس

مَل وَل جانا – سلوٹیں پڑ جانا

سیوتی – ایک قسم کا سفید پھول، نسترن

سوسن – نیلے اور آسمانی رنگ کا پھول، لمبی پنکھڑیوں والا پھول (Lily)

بدشگونی – نحوست

مہریا – بیوی

دل دوز – دل دہلا دینے والا

سینے کو برمانا – بہت تکلیف دینا

چشمِ مے گوں – سرخی مائل آنکھ

ہولڈال – بستر بند

مشقی سرگرمیاں

✻ خاکے پر مبنی سرگرمیاں

سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

	شال پر موجود پھول	

✻ اشاروں کے مطابق جدول مکمل کیجیے۔

صفت	کنجوس	.....	محنتی	.....
اسم	.....	سردی	.....	کمزوری

اسم	بوکھلاہٹ	.....	چہچہاہٹ	.....
فعل	.....	مسکرانا	.....	بنانا

✻ ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ افسانے کی تعریف بیان کر کے اس کے اجزا کی نشان دہی کیجیے۔

۲۔ ''ادب برائے زندگی'' کے بارے میں اپنے استاد سے معلومات حاصل کیجیے۔

۳۔ حمیدہ کی شال کی خوب صورتی بیان کیجیے۔

۴۔ شال خریدتے وقت حمیدہ کے متعلق عبید کے ذہن میں آنے والے خیالات کو قلم بند کیجیے۔

۵۔ حمیدہ کی اُس وقت کی کیفیت بیان کیجیے جب عبید نے اس کے کندھوں پر شال ڈالی تھی۔

۶۔ منع کرنے کے باوجود حمیدہ کے شال دینے پر عبید نے جو کچھ طے کیا، اسے تحریر کیجیے۔

۷۔ رکشے پر بیٹھتے وقت عبید نے سردی سے بچنے کا جو انتظام کیا، اُسے بیان کیجیے۔

۸۔ رکشے والے کا حلیہ بیان کیجیے۔

۹۔ عبید کی ذمے داریاں بیان کیجیے۔

۱۰۔ رکشے والے سے پگلی کو شال اوڑھانے کے لیے کہہ کر عبید نے جو ردِّعمل ظاہر کیا، اسے بیان کیجیے۔

۱۱۔ حمیدہ کا چور کو کوسنا بیان کیجیے۔

۱۲۔ پگلی کو شال دیتے وقت رکشے والے کے خیالات کو قلم بند کیجیے۔

۱۳۔ شال پگلی کو دینے کے بعد حمیدہ سے متعلق عبید کے خدشات تحریر کیجیے۔

۱۴۔ افسانے کی روشنی میں اُس کے کرداروں کا تعارف پیش کیجیے۔

عبید، حمیدہ ، رکشے والا، عیدُن

❋ اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ سخت سردی کے باوجود عبید کا شال نہ اوڑھنا۔

۲۔ رکشے والے کا تعجب کرنا۔

۳۔ عبید کا تعجب میں پڑنا۔

۴۔ عبید کا جھنجھلانا۔

۵۔ مصنف کا ''پدرم سلطان بود'' کہہ کر غصہ ہونا۔

❋ درج ذیل جملوں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ جہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے، وہاں اپنے ہی جسم کی گرمی ایک بجھا ہوا دیا بن جائے گی۔ اسے محنت مزدوری کی دیا سلائی دکھاؤ تو اندر کی آگ بھڑک کر باہر آجائے گی۔

۲۔ جھوٹ بھی کس قدر کثیر الاولاد ہے۔ ایک بولو جھٹ اُس کے پیٹ سے دس پیدا ہوجائیں گے۔

۳۔ دفعتہً عبید کا منہ اتنا کڑوا ہوگیا کہ اس نے ایک جاہل بے پرواشہری کی طرح سڑک پر تھوک دیا۔

❋ ذیل میں دیے ہوئے موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

۱۔ عبید کے ٹرین سے اُترنے کے بعد موسم کی کیفیت۔

۲۔ ٹرین میں سردی سے بچنے کے لیے عبید کی کوششیں۔

۳۔ شال نہ اوڑھنے پر عبید کا حمیدہ کو ٹوکنا۔

۴۔ عبید کے لیے حمیدہ کی اتھاہ محبت۔

۵۔ رکشے والے کو دیکھ کر عبید کے ذہن میں آنے والے خیالات۔

۶۔ پگلی کی دل دوز کراہ۔

۷۔ فٹ پاتھ پر پڑی ہوئی پگلی کا حلیہ۔

۸۔ اگر عبید حمیدہ سے سچ بات بتا دیتا تو حمیدہ کا ردِّعمل۔

۹۔ ماما عیدُن کے مشورے کے بعد حمیدہ میں آنے والی تبدیلی۔

۱۰۔ شال پگلی کو دے دینے کے بعد اگلے روز کا واقعہ۔

❋ ہدایت کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ سبق میں استعمال کیے گئے محاوروں کو تلاش کر کے اُن کا مفہوم لکھیے اور انھیں جملوں میں استعمال کیجیے۔

۲۔ سبق سے رکشے والے کی مقامی زبان کے فقرے الگ کیجیے اور انھیں معیاری زبان میں لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ رکشے والے اور عبید کے درمیان ہونے والی گفتگو کو اُردو مکالمے کی صورت میں لکھیے۔

۲۔ اسکول کی لائبریری سے علی عباس حسینی کے کسی افسانے کو حاصل کر کے اس کا مطالعہ کیجیے اور اپنی ذاتی رائے کا اظہار کیجیے۔

۳۔ افسانہ 'گاؤں کی لاج' پڑھ کر اس پر اپنی ذاتی رائے پیش کیجیے۔